QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

زوجین کی طلب کے بغیر عائلی معاملات میں ریاستی مداخلت: ایک شرعی جائزہ

State Intervention in Family Matters Without Spousal Request: A Sharīʿah-Based Analysis

Muhammad Zubair
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Engineering and Technology (UET), Lahore, Pakistan.
Dr. Attiq ur Rehman
Associate Professor at Department of Islamic Studies,Main Campus UET Lahore.

Abstract

In Islamic civilization, the family constitutes the first and most fundamental social unit responsible for nurturing faith, character, emotional stability, and moral development. Sharīʿah provides a comprehensive framework of rights, duties, and ethical principles to preserve justice and harmony within this institution. At the broader societal level, the state is entrusted with enforcing justice, safeguarding public welfare, and ensuring the implementation of laws rooted in Sharīʿah. The maqāṣid al-sharīʿah—protection of religion, life, intellect, lineage, and property—form the foundation of this responsibility. Sharīʿah does not grant absolute precedence to either the family or the state; rather, it advocates a balanced relationship in which both institutions complement each other. While marriage is a civil contract that requires consent of both spouses, coercion in marriage or dissolution is impermissible. Divorce rests primarily with the husband, and ordinarily no external entity may compel him to issue it. However, in cases of severe discord, oppression, or violation of rights, limited and principled state intervention becomes permissible. Classical and contemporary jurists differ regarding the authority of a judge (qāḍī) in annulling marriage through khulʿ when the husband refuses consent. Some scholars interpret the Qur'ānic concept of ḥakamayn as representatives appointed by the spouses and thus deny coercive authority. Others argue that ḥakamayn function under judicial mandate and may issue a binding decision to protect the oppressed spouse. This paper concludes that the matter is juristic (ijtihādī), but the view granting the judge authority to dissolve the marriage in cases of proven harm is stronger, more consistent with maqāṣid, and better suited to safeguarding justice in contemporary legal systems.

***Keywords** :Sharīʿah, Family Law, State Intervention, Marriage Contract, Judicial Authority, Khulʿ, Maqāṣid al-Sharīʿah*

خاندان تہذیب اسلامی کی پہلی اور بنیادی اکائی ہے جہاں ایمان، کردار اور سماجی توازن واستحکام کی نشوونما ہوتی ہے جب کہ شریعت ان احکام اور حقوق و فرائض کی مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے جس سے خاندان میں عدل اور باہمی تعاون وہم آہنگی یقینی بن سکے [1]۔ دوسری طرف ریاست کا کردار عدل و فلاح قائم کرنا ہے اور اس کے ساتھ خاندانی نظام کی سالمیت کا تحفظ اور شریعت پر مبنی قوانین کا نفاذ ریاست کی ذمہ داری ہے۔ مقاصد شریعت جیسے دین، جان، عقل، نسل اور مال کا تحفظ کو پورا کرنا ریاست کی اہم ذمہ داری ہے [2]۔

شریعت ان دو میں سے کسی ایک کی دوسرے پر قطعی طور پر ترجیح کی قائل نہیں ہے، بلکہ وہ توازن کو قائم رکھتی ہے جہاں خاندان کو معاشرے کی بنیادی اکائی سمجھا جاتا ہے، اور ریاست کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے کہ وہ معاشرتی سطح پر عدل، فلاح اور شریعت کے اصولوں کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ جدید دور میں یہ بات کافی حد تک قبول کی جاچکی ہے کہ کسی قانونی نظام کے نفاذ میں ریاست کا کردار قطعی نوعیت کا ہے، گویا کوئی قانون اسی وقت

نافذ العمل ہو سکتا ہے جب وہ مثبت قانون کی حیثیت اختیار کرے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان دونوں اداروں کی ماہیت و کردار اور اختیار پر بحث کی جائے تاکہ متنازعہ مسائل میں ریاست کے لئے ایسا لائحہ عمل طے کرنا آسان ہو جس میں شریعت کی پاسداری بھی برقرار رہے۔

نکاح ایک شہری معاہدہ

اسلام میں عورتوں کو نکاح میں داخل ہونے کا ایک آزادانہ حق حاصل ہے۔ چونکہ نکاح ایک شہری معاہدہ ہے، جو جنسی تعلقات اور تولید کو جائز بناتا ہے [3]۔ اس لئے اس میں بھی ایجاب و قبول کا ہونا ضروری امر ہے اور اس کے ساتھ دو گواہ اور حق مہر اہم ترین شرط ہے [4]۔ حق مہر کی وجہ سے اگرچہ نکاح کو عقد معاوضہ شمار کیا گیا ہے تاہم فقہاء نے نکاح کو دیگر معاوضاتی عقود سے ممتاز کیا ہے جیسا کہ ابن العربی لکھتے ہیں:

"النكاح عقد معاوضة، لكنه على صفات مخصوصة من جملة المعاوضات، وإجارة مباينة للإجارات."[5]

نکاح بظاہر ایک معاوضاتی عقد ہے، لیکن یہ معاوضاتی عقود میں بھی ایک مخصوص صفات کا حامل ہے، اور اگر اسے اجارہ سے تشبیہ دی جائے تو یہ اجارہ بھی عام اجاروں سے بالکل مختلف ہے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض معاوضاتی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس میں تکریم کا پہلو غالب ہے اور حق مہر کو بطور ہدیہ واکرام رکھا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ عقد نکاح میں فریقین کا داخلہ ان کی اجازت کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔

اولیاء کو جبر کی ممانعت

فریقین کے آزادانہ حق کا ہی یہ پہلو ہے کہ انہیں مشکل وقت میں فیصلہ لیتے وقت کسی کا جبر کا سامنا نہ کرنا پڑے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اس وقت جب عدت مکمل ہونے کے بعد شوہر دوبارہ نکاح کا خواہاں ہو اور بیوی بھی اس پر راضی ہو، ولی کو اس بات سے منع کیا ہے کہ ان کے دوبارہ نکاح کے انعقاد میں کسی قسم کی رکاوٹ مت بنیں جیسا کہ فرمان الہی ہے:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ [6]

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں:

نزلت هذه الآية في الرجل يطلق امرأته طلقة أو طلقتين ، فتنقضي عدتها ، ثم يبدو له أن يتزوجها وأن يراجعها ، وتريد المرأة ذلك ، فيمنعها أولياؤها من ذلك ، فنهى الله أن يمنعوها [7]

یہ آیت اس شخص کے متعلق نازل ہوئی جس نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں اور بعد میں جب عدت مکمل ہونے پر اسے ندامت ہوئی اور وہ رجوع کرنے کا عزم کیا تو لڑکی کے اولیاء نے اسے روک لیا جس پر اللہ نے اولیاء کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ نکاح کی ممکنہ حد تک پائیداری کے ضمن میں شریعت کے احکام بہت متوازن اور لچک دار ہیں تا کہ باہمی تعلق میں کوئی رکاوٹ قائم نہ رہے لہذا ولی کو بھی جبری طور پر نکاح سے روکنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

ریاست کا عائلی معاملات میں کردار

اگر فریقین میں تنازع کی صورت بن جائے تو اس میں عدالت کا ہونا ایک اہم امر ہے۔ شریعت میں اس کی بہت سی نظائر ہیں جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم ان متنازع مسائل کو حل کرتا ہے جو عائلی زندگی میں درپیش ہوتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے ان حقوق میں جن کا تعلق زوجین سے ہے، جیسے نکاح وغیرہ کے مسائل۔ تو ان میں تنازع کی صورت میں حاکم کے اوپر یہ ذمہ داری واجب قرار دی ہے کہ وہ ان مسائل کو عدل سے طے کرے۔ آپ فرماتے ہیں:

ومن الحقوق الأبضاع، فالواجب الحكم بين الزوجين بما أمر الله تعالى به، من إمساك بمعروف أو تسريح بإحسان[8]

عفت و عصمت کے متعلق حقوق بھی ان میں سے ہیں جن میں عدل سے فیصلہ کرنے کی ذمہ داری حاکم پر ہے، پس واجب ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جائے: یا معروف طریقے سے نباہ کیا جائے، یا احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کی جائے۔

نبوی دور میں زوجین کے مسائل کے حل کی مثال ملتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

يا عبد الله، ألم أخبر أنك تصوم النهار وتقوم الليل؟ قلت: بلى يا رسول الله، قال: فلا تفعل، صم وأفطر، وقم ونم، فإن لجسدك عليك حقا، وإن لعينك عليك حقا، وإن لزوجك عليك حقا [9].

اے عبد اللہ کیا مجھے یہ صحیح خبر ملی ہے کہ آپ دن میں روزہ اور رات بھر میں قیام کرتے ہیں تو میں نے کیا جی یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا کہ اس طرح مت کرو روزہ رکھو اور چھوڑو بھی، قیام بھی کرو اور آرام بھی کرو، بے شک تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

صحابی کی زندگی میں اس قسم کے عدم توازن کو درست کرنے کے لئے آپ ﷺ کی ہدایات ریاستی ذمہ داران کے لئے رہنمائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیاست شرعیہ کی کتب میں ہی حقوق زوجین کے متعلق گفت و شنید مل جاتی ہے مثلا یہ کہ بیوی پر خاوند کے حقوق حسبِ ضرورت و طاقت واجب ہے، اسی طرح مرد کا بیوی پر حق یہ ہے کہ جب وہ چاہے اس سے لطف اندوز ہو، بشرطیکہ اس میں عورت کو نقصان نہ پہنچے یا وہ کسی اور فرض سے مشغول نہ ہو جائے اور بیوی پر واجب یہ ہے کہ وہ شوہر کو اپنا حق ادا کرے حتی کہ دقیق اور اختلافی قسم کے مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں جیسا کہ فقہاء کا اس بات پر اختلاف ہے کہ کیا بیوی پر گھر کے کام مثلاً بستر بچھانا، صفائی کرنا، کھانا پکانا وغیرہ واجب ہیں یا نہیں[10]۔ ولی الامر کو زوجین کے معاملات میں کس قدر اختیار حاصل ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے:

أتت امرأة إلى عمر بن الخطاب رضي الله عنه، فقالت: يا أمير المؤمنين، إن زوجي يصوم النهار ويقوم الليل وأنا أكره أن أشكوه، وهو يعمل بطاعة الله عز وجل. فقال لها: نعم الزوج زوجك. فجعلت تكرر عليه القول وهو يكرر عليها الجواب. فقال له كعب الأسدي: يا أمير المؤمنين، هذه المرأة تشكو زوجها في مباعدته إياها عن

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

فراشه. فقال عمر: كما فهمت كلامها فاقض بينهما. فقال كعب: علي بزوجها، فأتي به فقال له: إن امرأتك هذه تشكوك. قال: أفي طعام أم شراب؟ قال لا.فقال كعب: إن لها عليك حقا يا رجل، ثم قال: إن الله عز وجل قد أحل لك من النساء مثنى وثلاث ورباع، فلك ثلاثة أيام ولياليهن تعبد فيهن ربك. فقال عمر، والله ما أدري من أي أمريك أعجب؟ أمن فهمك أمرهما أم من حكمك بينهما؟ اذهب فقد وليتك قضاء البصرة[11].

ایک عورت حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئی اور منہ پر اپنا پلو رکھ کر یوں گویا ہوئی: امیر المومنین! میرا شوہر بہت نیک ہے۔ ساری رات نماز پر گزارتا ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا: کیا ہی بہتر شوہر ہے۔ وہ اس بات کو دہراتی رہی اور حضرت عمر یہی جواب دیتے رہے اس پر کعب بن یسار بولے: امیر المومنین! یہ عورت اپنے خاوند کا شکوہ کر رہی ہے کہ وہ اس کے جنسی حقوق ادا نہیں کرتا۔ حضرت عمر نے فرمایا، کعب تم ہی فیصلہ کرو۔ شوہر کو طلب کیا گیا اور پوچھا گیا یہ کیا ماجرا ہے کیا یہ شکایت کھانے پینے کے متعلق ہے اس نے کہا: نہیں، حضرت کعب نے فرمایا: اللہ نے چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ تمہاری ایک بیوی ہے۔ تم تین دن عبادت کرو اور چوتھے دن اس کی جنسی تسکین کا اہتمام کرو۔ حضرت عمرؓ اس فیصلے پر خوش ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں بصرہ کا جج بناتا ہوں۔

گویا بنیادی طور پر ریاست کا زوجین کے مابین متنازع مسائل میں اپنی دخل اندازی کرتے ہوئے اصلاح و تفریق کا جواز شریعت کی رو سے ثابت شدہ ہے۔ اس حوالے سے اگر دیکھیں تو زوجین میں تفریق کی تین شرعی صورتیں بنتی ہیں: طلاق، خلع اور فسخ۔ جہاں تک فسخ کا تعلق ہے تو یہ قاضی کے حکم سے ہوتا ہے اور باقی کی تفصیل یوں ہے۔

حق طلاق میں مداخلت

چونکہ نکاح کا رشتہ شریعت کی نظر میں ایک پائیدار رشتہ ہے اس لئے اس میں طلاق کا حق مرد کو دیا گیا ہے نہ کہ عورت کو اس لئے کہ عورت اپنی فطری کمزوری کی بنا پر اس کا غلط استعمال نہ کر بیٹھے اگر عورت کو اختیار ہوتا تو لوگ حرج و مشقت کا شکار ہو جاتے اور رشتہ نکاح پائیدار نہ رہتا[12]۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں طلاق بذاتِ خود شوہر کے اختیار میں ایک یک طرفہ عمل ہے، تاہم بسا اوقات ریاست یا قاضی تنازعات کے پیش نظر دخل اندازی کر سکتا ہے۔ تبصرۃ الحکام میں ابن فرحون مالکی لکھتے ہیں:

لا بد فيه من حكم الحاكم وهو ما يحتاج إلى نظر وتحرير وبذل جهد في تحرير سببه ومقدار مسببه، وذلك كالطلاق بالإعسار والطلاق بالاضطرار والطلاق على المولي؛ لأنه يفتقر إلى تحقيق الإعسار، وهل هو ممن يلزمه الطلاق بعدم النفقة أم لا، كما لو تزوجت فقيرا علمت بفقره فإنها لا تطلق عليه بالإعسار بالنفقة، وكذلك تحقيق حاله، وهو هل هو ممن يرجى له شيء أم لا؟ [13]

بعض معاملات میں حاکم (قاضی) کے فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے، اور اس کے لیے گہری نظر، تحقیق اور سبب و مسبّب کی مقدار کو اچھی طرح واضح کرنے میں اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جیسے کہ اِعسار (تنگ دستی) کی وجہ سے طلاق، مجبوری کی حالت میں طلاق، اور اِیلاء (قسم کھا کر بیوی سے ہمبستری نہ کرنے) کی صورت میں طلاق۔ کیونکہ اِعسار کے ثبوت کی

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

تحقیق ضروری ہے، اور یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ آیانان ونفقہ نہ دینے کی وجہ سے اس پر طلاق لازم آتی ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر کسی عورت نے کسی غریب آدمی سے شادی کی ہو اور وہ پہلے سے اس کے فقر سے واقف تھی تو محض اِعسارِ نفقہ کی بنا پر اسے اس سے طلاق نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح اس کے حال کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ آیا مستقبل میں اس شخص کے پاس مال آنے کے بارے میں کچھ اُمید رکھی جاسکتی ہے یا نہیں۔

حضرت عمر کا طلاق ثلاثہ کو تین شمار کرنے کا واقعہ بھی اس کی ایک مثال ہے جہاں ولی الامر نے طلاق ثلاثہ کو تین قرار دیا۔ ابتدائی اسلامی دور میں اس طرز کی طلاق کو ایک طلاق شمار کرنے کا رواج پایا جاتا تھا، تاکہ رجوع کا موقع باقی رہے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے مشاہدہ کیا کہ لوگ اس رعایت کو کھیل اور بے احتیاطی کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں، جس سے ازدواجی ادارہ عدمِ استحکام کا شکار ہو رہا ہے۔ اس پس منظر میں حضرت عمرؓ نے تعزیری و انتظامی نوعیت کا ایک فیصلہ کیا اور اعلان فرمایا کہ آئندہ اس طرز کی تین طلاقیں تین ہی شمار کی جائیں گی اور اس پر فوری علیحدگی نافذ ہو گی۔[14]

عورت کے لئے جن صورتوں میں مرد سے خلاصی لینا ناگزیر ہے جیسے نامرد ہونا، لاپتہ ہونا، نان ونفقہ نہ دینا وغیرہ ان صورتوں میں بھی عورت کے لے خلاصی کی صورت قاضی کے بغیر ممکن نہیں ہے [15]۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کا ریاست کی طرف سے مقرر کردہ قاضی مسلمان ہونا ضروری ہے[16]۔ اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾

اور اللہ تعالی کافروں کو مسلمانوں پر راہ نہیں دے گا۔[17]

اس لئے کہ کافر کو قضا کا اختیار دینا گویا ایک طاقت ہے جو کافروں کے لئے مسلمانوں پر روا نہیں رکھی گئی[18]۔ اس لئے جن علاقوں میں مسلم قاضی نہیں ہیں وہاں مسلمانوں کی جماعت کا فیصلہ نافذ ہو گا[19]۔

حق خلع میں ریاستی مداخلت

طلاق کے علاوہ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ علیحدگی ناگزیر ہو جاتی ہے اور کسی وجہ سے مرد سے خلاصی حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں عورت کے پاس جو حق ہے وہ خلع کا حق ہے جس کے ذریعے وہ شوہر سے آزادی حاصل کر سکتی ہے[20]۔ خلع کی تعریف مختلف مذاہب میں یوں کی گئی ہے: چنانچہ

1. احناف کے نزدیک خلع سے مراد ملکِ نکاح کو بدلہ کے عوض میں لفظ خلع کے ذریعے ختم کرنا ہے[21]۔
2. مالکیہ کے نزدیک خلع طلاق ہے جو عوض کے بدلہ میں لی جاتی ہے[22]۔
3. شافعیہ کے نزدیک اس سے مراد ایسا تفرقہ ہے جو طلاق کا لفظ بول کر یا خلع کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جس میں عوض شوہر کی طرف لوٹتا ہے[23]۔
4. حنابلہ کے نزدیک الفاظ مخصوصہ کے ساتھ شوہر کا بیوی سے عوض لے کر علیحدگی اختیار کرنا[24]۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزدیک عوض کے مقابل علیحدگی خلع ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک معاہدہ ہے جو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے جس میں دونوں اس بات پر متفق ہوتے ہیں کہ نکاح کے بندھن کو ختم کر دیا جائے اور اس کے بدلے بیوی اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

چونکہ خلع ایک معاہدہ ہے، اس لیے عام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اس میں زوجین کا رضامند ہونا ضروری ہے، ابن القیم لکھتے ہیں:

وفي تسميته سبحانه الخلع فدية، دليل على أن فيه معنى المعاوضة، ولهذا اعتبر فيه رضى الزوجين[25]

خلع کو فدیہ کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں معاوضہ کا معنی پایا جاتا ہے جس کے لئے زوجین کی رضامندی ہونا ضروری ہے۔

معاوضہ کو ہونا دوطرفہ عقد کو ظاہر کرتا ہے اور خلع سے رجوع بھی دوطرفہ رضامندی کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس متعلق آپ لکھتے ہیں:

فإذا تقايلا عقد الخلع وتراجعا إلى ما كانا عليه بتراضيهما لم تمنع قواعد الشرع ذلك[26]

پس اگر دونوں (میاں بیوی) خلع کے عقد کو آپس میں باہمی رضامندی سے ختم کرلیں اور دوبارہ اپنی پہلی حالت (یعنی نکاح) پر لوٹ آئیں تو شرعی قواعد اس کی ممانعت نہیں کرتے۔

الغرض یہ کہ یہ یکطرفہ اقدام نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں شوہر نکاح ختم کرنے پر اس وقت آمادہ ہوتا ہے جب بیوی اسے کچھ معاوضہ دیتی ہے، اور یہ دونوں کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں۔ اب اگر زوجین کا رضامند ہونا ضروری ہے تو قاضی کی اس میں کیا حیثیت رہ جاتی ہے اور کیا قاضی کے بغیر خلع ہو سکتا ہے یا نہیں، اس مسئلے میں دو آراء ہیں:

پہلا موقف:

قاضی کے بغیر خلع ممکن ہے اور اس کی ضرورت بس اختلاف و تنازع کی صورت میں ہے اور یہ موقف جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ کا ہے[27]۔

دوسرا موقف:

خلع صرف قاضی کے سامنے ہی ہوتا ہے اور یہ موقف سعید بن جبیر، حسن بصری، زیاد بن عبید ثقفی اور ابن سیرین کا ہے[28]۔

اس مسئلے میں راجح موقف جمہور اہل علم کا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ خلع ایک عقد ہے اور جب دونوں راضی ہوں تو قاضی کے سامنے پیش ہونا بے معنی ہے لہذا قاضی کے بغیر خلع ممکن ہے، یہاں امام ابن القیم نے اس آیت کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَن يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ[29]

تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اُس میں سے کچھ واپس لے لو البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے، تو اُن دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرلے۔

آیت سے استدلال یہ ہے کہ یہاں قاضی کا ذکر موجود نہیں ہے لہذا دو میاں بیوی اگر آپس میں اختلاف یا رنجش کا خوف رکھتے ہوں اور انہیں خدشہ ہو کہ وہ حدود الٰہی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو وہ خود سے خلع کر سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نکاح کے مسائل میں جس قدر ہو سکے معاملات کو چار دیواری میں رکھنا پسندیدہ سمجھا گیا ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اگر اختلاف اس حد تک ہو کہ خلع کے متعلق شوہر رضامند نہ ہو تو اس صورت میں قاضی کیا کر سکتا ہے اس بارے ہم درج ذیل بحث میں بات کرتے ہیں۔

خلع میں قاضی کا اختیار

جس طرح طلاق میں مرد کے پاس اختیار ہوتا ہے اسی طرح خلع میں عورت کے پاس یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ مرد سے خلاصی پا سکے، اس کے لئے دونوں میاں بیوی اگر راضی ہو جائیں تو قاضی کی ضرورت ختم ہو جاتی ہے اور اگر بیوی شوہر کو ناپسند کرنے یا اس سے بغض رکھنے کی وجہ سے نکاح ختم کرنا چاہے اور شوہر خلع سے انکار کر دے، تو بیوی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کے پاس مقدمہ دائر کر دے تاکہ وہ اس معاملے کو ختم کرنے میں عورت کی داد رسی کرے۔ ارشاد باری ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ [30]

پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں کر سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ دے کر علیحدگی لے لے۔

اس آیت میں خطاب سلطان یا اس کے معاونین سے ہے [31]۔ کہ وہ جب دونوں کے درمیان صلح کی کوئی صورت نہ دیکھے تو دونوں کے درمیان علیحدگی کروادے۔ اس صلح کی کیا صورت ہو سکتی ہے سورۃ النساء کی ایک اور آیت میں اللہ تعالی نے اس کی وضاحت ذکر فرمائی ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا

اور اگر تمہیں ان کے درمیان جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک حکم مرد کی طرف سے اور دوسرا عورت کی طرف سے مقرر کروا گر وہ دونوں ان کے درمیان اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا بے شک اللہ بہت جاننے والا، بہت خبردار ہے۔

اس آیت کی رو سے حکمین کو دونوں کا معاملہ سونپا گیا ہے اور اگر وہ صلح کرانے پر متفق ہو جائیں تو ان کی بات نافذ ہو گی۔ لیکن اگر وہ اتفاق پر راضی نہ ہوں تو کیا ان کے پاس طلاق دلانے کا بھی اختیار ہے جب کہ شوہر طلاق یا خلع پر راضی نہ ہو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

محل اتفاق و نزاع

اس مسئلہ میں اتفاقی مسائل کو بیان کر دینا صورت مسئلہ کو واضح کر دیتا ہے لہذا آیت میں حکمین بنانے کے حکم سے متعلق اتفاقی صورتیں ذکر کی جا رہی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. اگر تنازع بین زوجین کے معاملہ میں حاکم یا اس کے نائب قاضی کی طرف سے فیصلہ دیا جائے تو وہ اس خاص متعین اور جزئی مسئلے میں جو حکم دے گا اس کا فیصلہ نافذ ہو گا۔ اس متعلق آلوسی لکھتے ہیں:

وأجيب عن فعل علي كرم الله تعالى وجهه بأنه إمام وللإمام أن يفعل ما رأى فيه المصلحة [32]

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

حضرت علی کا فیصلہ میں زبردستی خلع کروانے کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ امام تھے اور امام کا فیصلہ مصلحت کے پیش نظر مانا جاتا ہے۔

اسی طرح ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقد اختلف الأئمة في الحكمين: هل هما منصوبان من عند الحاكم، فيحكمان وإن لم يرض الزوجان [33]

حکمین کے متعلق اہل علم کا اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا یہ حاکم کی طرف سے منسوب کردہ ہیں تو ان کا حکم نافذ سمجھا جائے خواہ زوجین راضی ہوں یا نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام، حاکم یا قاضی کی طرف سے کیا گیا فیصلہ ان کے حق میں نافذ سمجھا جائے گا، تاہم یہ بات اس شرط کے ساتھ ہے کہ یہ فیصلہ خاص اور متعین جزئی میں ہو اگر کلی طور پر کوئی فیصلہ ہو تو حاکم کا فیصلہ نافذ نہیں ہو گا۔ اس بات کی طرف ابن تیمیہ نے اشارہ کیا ہے:

والأمة إذا تنازعت في معنى آية أو حديث أو حكم خبري أو طلبي لم يكن صحة أحد القولين وفساد الآخر ثابتا بمجرد حكم حاكم، فإنه إنما ينفذ حكمه في الأمور المعينة دون العامة[34].

اگر کسی آیت، حدیث یا کسی خبر یا طلب کے متعلق امت کا اختلاف ہو جائے تو حاکم کے پاس یہ اختیار نہیں کہ وہ کسی ایک قول کی صحت اور دوسرے قول کے فاسد ہونے کا حکم دے اسے جو اختیار ہے وہ یہ ہے کہ خاص متنازع مسئلہ میں اپنا حکم نافذ کرے۔

معلوم ہوا کہ حاکم اس حیثیت سے مسئلہ کا عملی حل نکال سکتا ہے کیونکہ یہ وہ متعین مسائل ہوتے ہیں جن پر تنازع ہو جائے لیکن عمومی طور پر اصولی مسائل میں اس کا حکم کسی مسئلے کے علمی اختلاف کو ختم نہیں کرے گا۔

2. شوہر وزن میں اتفاق کرانے میں حکمین کی بات قبول ہو گی بشرطیکہ وہ اتفاق کرانے میں باہمی متفق ہوں اگرچہ میاں بیوی نے حکمین کو اتفاق کرانے کا نمائندہ نہ بنایا ہو۔ اس لئے کہ آیت میں اتفاق کرانا ان کی ذمہ داری بتائی گئی ہے اور وہ اتفاق کرانے پر راضی ہوں تو اللہ تعالی ان کو توفیق سے نوازدے گا۔

ابن کثیر آیتِ حکمین کے ضمن میں یوں لکھتے ہیں:

قال الفقهاء: إذا وقع الشقاق بين الزوجين، أسكنهما الحاكم إلى جنب ثقة، ينظر في أمرهما، ويمنع الظالم منهما من الظلم، فإن تفاقم أمرهما وطالت خصومتهما، بعث الحاكم ثقة من أهل المرأة، وثقة من قوم الرجل، ليجتمعا وينظرا في أمرهما، ويفعلا ما فيه المصلحة مما يريانه من التفريق أو التوفيق وتشوف الشارع إلى التوفيق [35]

فقہاء کا کہنا ہے کہ جب میاں بیوی میں اختلاف ہو جائے تو حاکم ان دونوں کو ایک معتبر شخص کی نگرانی میں دے جو دونوں کے معاملے میں غور کر کے ظلم وزیادتی کا تصفیہ کرائے اور اگر معاملہ حل نہ ہو ایک معتبر شخص عورت کی جانب سے اور ایک مرد کی جانب سے مقرر کرے وہ دونوں ان کے معاملے میں اصلاح کا پہلو تلاش کریں اور تفریق یا صلح میں سے جس میں مصلحت سمجھیں کروادیں اور شارع نے صلح کروانے کی طرف زیادہ توجہ دلائی ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اگرچہ اتفاق میں نمائندگی نہ بھی دی گئی ہو تو ان کا فیصلہ نافذ ہو گا اس متعلق مزید ابن عبد البر لکھتے ہیں:

وأجمعوا أن قولهما نافذ في الجمع بينهما بغير توكيل من الزوجين [36]

اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ باہمی اتفاق کا فیصلہ نافذ ہو گا اگرچہ میاں بیوی کی طرف سے اتفاق کے معاملے میں ان کو نمائندہ نہ بنایا گیا ہو۔

3. اگر حکمین کو میاں بیوی نے اس بات کی تفویض دی ہو کہ وہ اتفاق ہو یا اختلاف دونوں صورتوں میں ان کی موافقت کریں گے تو بھی حکمین کا فیصلہ حتمی ہو گا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وأما إذا كانا وكيلين من جهة الزوجين، فإنه ينفذ حكمهما في الجمع والتفرقة بلا خلاف [37]

اگر میاں بیوی کی طرف سے ان کو وکیل بنایا گیا ہو تو ان کا حکم افتراق اور اتفاق میں بغیر اختلاف کے قبول ہو گا۔

4. اگر حکمین کا باہمی اختلاف ہو جائے تو کسی ایک کے قول کا اعتبار نہیں ہو گا۔ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

وأجمعوا أن الحكمين إذا اختلفا لم ينفذ قولهما [38]

اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ اگر ان کا باہمی اختلاف ہو جائے تو کسی ایک کا قول نافذ نہیں ہو گا۔

اس صورت میں جب ایک حکم اتفاق کرانے پر اصرار کرے اور دوسرا افتراق کرانے پر مصر ہو تو دونوں کا قول نافذ نہیں ہو گا۔

محل اختلاف

جب حکمین کا اختلاف ہو جائے تو یہ صورت بن سکتی ہے کہ معاملہ فہمی کے لئے دوبارہ کوشش کی جائے یا پھر حکمین کو بدل لیا جائے اور آخری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ معاملہ قاضی یا حاکم کے سپرد کر دیا جائے۔

پہلا موقف:

جمہور اہل علم کا یہ موقف ہے کہ حکمین کی حیثیت زوجین کی طرف سے وکیل کی ہے لہذا وہ خلع کو نافذ نہیں کر سکتے، یہی امام شافعی کا ایک قول ہے، اور کوفہ کے فقہاء (احناف) کا بھی یہی موقف ہے، اور اسی کے قائل عطاء، ابن زید، حسن بصری اور امام ابو ثور بھی ہیں[39]۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

وَقَالَ قَوْمٌ: لَيْسَ لَهُمَا الطَّلَاقُ مَا لَمْ يُوَكِّلْهُمَا الزَّوْجُ فِي ذَلِكَ، وَلْيُعَرِّفَا الْإِمَامَ، وَهَذَا بِنَاءٌ عَلَى أَنَّهُمَا رَسُولَانِ شَاهِدَانِ.
ثُمَّ الْإِمَامُ يُفَرِّقُ إِنْ أَرَادَ وَيَأْمُرُ الْحَكَمَ بِالتَّفْرِيقِ

حکمین کو طلاق کا اختیار نہیں جب تک کہ شوہر انہیں تفرقہ پر وکیل نہ بنائے، بلکہ انہیں امام (حاکم) کو اطلاع دینا چاہیے۔ اور یہ اس بنا پر ہے کہ وہ محض پیغام رساں یا گواہ ہیں۔ پھر امام چاہے تو جدائی کا فیصلہ کرے گا اور حکم کو اس پر مامور کرے گا۔

معاصر علماء میں سے یہ موقف عبد الکریم زیدان[40] وغیرہ نے اپنایا ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

دوسرا موقف:

امام مالک، شافعی اور احمد کا ایک قول یہ ہے کہ حکمین کی حیثیت وکیل کی نہیں ہے بلکہ ان کا درجہ قاضی کا ہے لہذا ان کا فیصلہ نافذ ہو گا، یہی قول امام مالک، اوزاعی اور اسحاق کا ہے، اور حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے، نیز تابعین میں شعبی اور نخعی سے بھی اور یہ امام شافعی کا بھی قول ہے[41]۔ ابن کثیر کے نزدیک یہ موقف جمہور کا ہے[42] اور یہی رائے ابن تیمیہ کی ہے[43]۔

اس قول کی وضاحت میں قرطبی لکھتے ہیں:

وَإِنْ كَانَا غَيْرَ ذَلِكَ وَرَأَيَا الْفُرْقَةَ فَرَّقَا بَيْنَهُمَا. وَتَفْرِيقُهُمَا جَائِزٌ عَلَى الزَّوْجَيْنِ، وَسَوَاءٌ وَافَقَ حُكْمَ قَاضِي الْبَلَدِ أَوْ خَالَفَهُ، وَكَّلَهُمَا الزَّوْجَانِ بِذَلِكَ أَوْ لَمْ يُوَكِّلَاهُمَا.

اور اگر (وہ دونوں حکم) یہ دیکھیں کہ صلح ممکن نہیں ہے اور جدائی ہی بہتر ہے تو وہ میاں بیوی کو جدا کر دیں۔ اور ان کی طرف سے جدائی نافذ ہو گی، خواہ قاضیِ شہر کے فیصلے کے مطابق ہو یا اس کے خلاف، چاہے میاں بیوی نے پہلے سے انہیں اس کام کا وکیل بنایا ہو یا نہ بنایا ہو

فقہاء کا اس مسئلہ پر اختلاف کا سبب شرعی نصوص کے فہم و تعبیر میں اختلاف ہے کہ نصوص کے ظاہر کو لیا جائے گا اور اجتہاد نہیں کیا جائے گا یا ایسا اجتہاد بھی ممکن ہے جو نص کے خلاف نہ ہو[44]۔

دو طرفہ لائل:

ذیل میں ہم دونوں مواقف کے دلائل اور ان کا تجزیہ کریں گے۔

پہلے موقف کے دلائل:

اس موقف کے دلائل درج ذیل ہیں:

1. قرآن کریم میں خلع کو مباح قرار دیا گیا ہے جو کہ وقت ضرورت استعمال ہو سکتا ہے اس متعلق ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾

تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تم انہیں دیا ہوا حق مہر واپس لو سوائے اس صورت میں کہ انہیں یہ ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے۔

یہ بات معلوم ہے کہ مباح حکم شرعی ہے کیونکہ آیت میں "فلا جناح" سے اباحت ظاہر ہوتی ہے لہذا خلع کو لازم نہیں کیا جا سکتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نفی جناح کا اطلاق ہمیشہ مباح پر نہیں ہوتا اگرچہ یہ جواز پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ وجوب بھی جمع ہو سکتا ہے اور مندوب بھی جمع ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ[45]

تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کر دو۔

تو یہاں نماز کو قصر کر کے پڑھنا دوسرے دلائل سے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا:

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

فَلا جُناحَ عَلَيْهِما أنْ يَتَراجَعا

توان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آلوسی لکھتے ہیں:

ولیس مباحا بالاتفاق[46]

اس آیت میں یہ حکم اتفاقی طور پر مباح نہیں ہے۔

گویا نفی جناح کی مباح پر دلالت لزومی نہیں ہے۔

2. خلع کو واجب کرنا جب کہ شوہر راضی نہ ہو اکراہ کے قبیل سے ہے اور حدیث نبوی ہے:

إن الله وضع عن أمتي الخطأ والنسيان وما استكرهوا عليه

بے شک اللہ تعالی نے میری امت سے خطاونسیان اور ایسی شے کو معاف کیا ہے جس پر ان کا اختیار نہیں

اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ خلع ایک معاہدہ ہے، اس پر زبردستی کرنا دراصل اکراہ ہے اور معاہدہ اکراہ کے ساتھ درست نہیں ہوتا۔

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خلع عقد نہیں بلکہ حل عقد ہے۔ لیکن درست بات یہ ہے کہ متعدد فقہاء نے اسے عقد ہی شمار کیا ہے گویا یہ ایک عقد کو ختم کرنے کا عقد ہے۔

3. صحابہ کے عمل سے بھی جمہور اہل علم نے استدلال کیا ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ آپ نے ایک عورت کو نصیحت فرمائی جو کہ اپنے شوہر کی نافرمان تھی اور جب اس نے بات نہ مانی تو چند دن سختی میں رکھا۔ پھر بھی وہ مطمئن نہ ہوئی تو فرمایا:

"اخلعها ولو من قرطها"

یعنی خلع کر لو چاہے زیور ہی لے لو[47]۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے شوہر کو ترغیب دی، لیکن زبردستی خلع نافذ نہ کیا۔ شوہر کو خلع پر مجبور کرنا اس کے حق طلاق کے منافی ہے، کیونکہ شریعت نے طلاق کا اختیار بنیادی طور پر شوہر کو دیا ہے۔

4. حضرت علی کے فیصلے سے استدلال کیا گیا ہے جس میں انہوں نے دومیاں بیوی کے درمیان جدائی کا فیصلہ کیا، روایت میں ہے کہ

أَنَّهُ بَعَثَ حَكَمَيْنِ فَقَالَ تَدْرِيَانِ مَا عَلَيْكُمَا إنْ رَأَيْتُمَا أَنْ تَجْمَعَا فَجَمْعًا وَإِنْ رَأَيْتُمَا أَنْ تُفَرِّقَا فَفَرِّقَا فَقَالَتْ الزَّوْجَةُ رَضِيت بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ عَلَيَّ وَلِيَ فَقَالَ الرَّجُلُ أَمَّا الْفُرْقَةُ فَلَا قَالَ عَلِيٌّ كَذَبْت لَا وَاَللَّهِ حَتَّى تُقِرَّ بِمِثْلِ الَّذِي أَقَرَّتْ بِهِ [48]

"حضرت علی نے دونوں حکموں سے کہا: "کیا تم جانتے ہو کہ تم پر کیا ذمہ داری ہے؟ تم پر یہ ذمہ داری ہے کہ اگر تم مناسب سمجھو کہ انہیں جدا کر دو تو جدا کر دو، اس پر عورت نے کہا: میں اللہ کی کتاب پر راضی ہوں، جو کچھ اس میں میرے لیے اور میرے خلاف ہے اور شوہر نے کہا: "البتہ جدائی پر تو میں راضی نہیں ہوں۔ حضرت علی نے اس پر فرمایا: "تم جھوٹ بولتے ہو، اللہ کی قسم! یہاں سے نہ جاؤ گے جب تک کہ وہی اقرار نہ کر و جو عورت نے کیا ہے۔"

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دونوں حاکم جدائی کا فیصلہ نہیں کر سکتے جب تک کہ شوہر راضی نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر خود سے فیصلہ کرنا درست ہوتا تو آپ شوہر کے اصرار کو دیکھ کر اس سے اقرار نہ کراتے بلکہ خود فیصلہ فرمادیتے۔ امام بغوی لکھتے ہیں:

لأن عليا رضي الله عنه، حين قال الرجل: أما الفرقة فلا، قال: كذبت حتى تقر بمثل الذي أقرت به. فثبت أن تنفيذ الأمر موقوف على إقراره ورضاه [49]

جب شوہر نے کہا کہ میں جدائی پر راضی نہیں ہوں تو حضرت علی نے فرمایا: تو جھوٹ کہہ رہا ہے یہاں تک کہ تو بھی اسی طرح اقرار کرے جس طرح اس نے کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ خلع شوہر کے اقرار و رضامندی پر موقوف ہے۔

5. اہل علم کے اجماع سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں ہے یا اس کے ہاتھ میں ہے جس کو شوہر یہ اختیار دے لہذا اختلاف کی صورت میں اجماع سے تمسک کیا جائے گا۔ حتی کہ ابن حزم جیسے محقق جو ائمہ اربعہ سے کئی مسائل میں اختلاف کرتے نظر آتے ہیں اس معاملے میں کہتے ہیں کہ خلع کسی صورت دونوں کی رضامندی کے بغیر ممکن نہیں ہے جیسا کہ لکھتے ہیں:

إنما يجوز بتراضيهما

خلع دونوں کی رضامندی کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے[50]۔

دوسرے موقف کے دلائل:

دوسرے موقف کے دلائل درج ذیل ہیں:

1. قرآن کریم کی درج ذیل آیت مبارکہ میں ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللهِ...﴾

پس اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے

ان کے مطابق آیت میں "فإن خفتم" کا خطاب حکام اور قاضیوں کی طرف ہے، یعنی اگر معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ حدود اللہ قائم نہ رہیں تو قاضی کو نکاح ختم کرنے کا حق ہے۔

2. قرآن کریم سے ان کی اہم ترین دلیل یہ بھی ہے جو کہ امام قرطبی نے ذکر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا

"پس بھیجو ایک حکم اس کے گھر والوں میں سے اور ایک حکم اس کے گھر والوں میں سے"[51]۔

ابن بطال کہتے ہیں:

أجمع العلماء على أن المخاطب بقوله تعالى وأن خفتم شقاق بينهما الحكام وأن المراد بقوله إن يريدا إصلاحا الحكمان

اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں خطاب حکام کی طرف متوجہ ہے اور اس میں اصلاح کرنے کا حکم حکمین کو ہے[52]۔

گویا جب حکام کو خطاب ہے تو یہ خطاب قاضی کی حیثیت سے ہے ورنہ حکام کو خطاب کرنے کا کیا فائدہ ہوتا؟ اس موقف کے قائلین کے نزدیک یہ نص ہے اللہ کی طرف سے کہ یہ دونوں قاضی ہیں، نہ کہ وکیل یا گواہ۔

3. ان کا ایک استدلال لغوی حیثیت سے بھی ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ لفظ جب ایک معنی میں استعمال ہوا ہے تو اسے لغوی طور پر اس معنی سے پھیرنا درست نہیں جیسا کہ یہاں حکم کا لفظ استعمال ہوا ہے اور حکم سے مراد لغت میں قاضی ہے نہ کہ وکیل۔

چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ شریعت میں وکیل کا مسمی اور اسم الگ ہے اور اسی طرح قاضی یا حکم کا اسم و مسمی الگ ہے، جب اللہ نے ہر ایک کو جدا جدا بیان کر دیا ہے تو کسی شخص کے لئے یہ درست نہیں کہ ایک کا معنی دوسرے پر چسپاں کر دے۔

4. ان کے دلائل میں سے اہم ترین دلیل حضرت علی کا میاں بیوی کے درمیان جھگڑے کے قصے میں بطور قاضی فیصلہ کرنا ہے جس کی رو سے آپ نے شوہر کو زبردستی چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ روایت جو کہ پہلے گزر چکی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر وہ دونوں محض وکیل یا گواہ ہوتے تو حضرت علیؓ یوں نہ کہتے کہ تم پر کیا ذمہ داری ہے؟ بلکہ یہ کہتے کہ کیا تم جانتے ہو کہ کس بات پر تمہیں وکیل بنایا گیا ہے۔ دلیل کی مزید وضاحت میں امام بغوی لکھتے ہیں:

ليس المراد من قول علي رضي الله عنه للرجل: حتى تقر، أن رضاه شرط بل معناه: أن المرأة لما رضيت بما في كتاب الله فقال الرجل: أما الفرقة فلا، يعني: ليست الفرقة في كتاب الله، فقال علي: كذبت، حيث أنكرت أن الفرقة في كتاب الله، بل هي في كتاب فإن قوله تعالى: يوفق الله بينهما يشتمل على الفراق وغيره لأن التوفيق أن يخرج كل واحد منهما من الوزر وذلك تارة يكون بالفراق وتارة بإصلاح حالهما في الوصلة [53].

ان کی دلیل یہ ہے کہ جیسے قاضی دونوں فریقوں کے درمیان ان کی مرضی کے بغیر فیصلہ کر دیتا ہے، ویسے ہی حکمین کو بھی یہ حق ہے اور حضرت علیؓ کا قول "كذبت" کا مطلب یہ نہیں کہ شوہر کی رضا شرط ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ شوہر نے غلط کہا کہ کتاب اللہ میں جدائی کا ذکر نہیں۔ حضرت علیؓ نے بتایا کہ قرآن میں جدائی بھی شامل ہے۔ قرآن کی آیت: "إن يريدا إصلاحًا يوفق الله بينهما" میں توفیق کا مفہوم ملا دینا بھی ہے اور کبھی علیحدگی کر دینا بھی ہے۔

اسی حدیث سے پہلے موقف کے قائلین نے بھی استدلال کیا ہے گویا اس میں دونوں کی دلیل ہے جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں:

وفي هذا الحديث لكل واحد من القولين دليل [54]

یہ حدیث دونوں قول کے حاملین کے لئے دلیل ہے۔

لیکن دونوں کا طریقہ استنباط مختلف ہے اور اس کی وجہ دوسرے قرائن ہیں جو دونوں فریقین کے مد نظر ہیں جیسا کہ پہلے موقف والوں کے نزدیک طلاق کو شوہر کے ہاتھ میں رہنے کا اصول وجہ ترجیح ہے، ابن عاشور لکھتے ہیں:

وهذا صرف للفظ الحكمين عن ظاهره، فهو من التأويل. والباعث على تأويله عند أبي حنيفة: أن الأصل أن التطليق بيد الزوج [55]

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

حکمین کے لفظ کے ظاہر سے اسے پھیرنا دراصل تاویل ہے جس کی وجہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس اصول کی بنا پر قائم کی گئی ہے کہ طلاق اصل میں شوہر کے ہاتھ میں ہے۔

جب کہ اس موقف کے قائلین کے نزدیک لفظ قاضی کی اپنے اصل معنی میں دلالت زیادہ اہم ہے جو کہ لفظ کے اصل معنی سے قریب تربات ہے۔

5. قرآن کریم نے اس سے منع کیا ہے کہ عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے زبردستی روک کر رکھا جائے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا﴾

اور تم ان کو ضرر دیتے ہوئے اس نیت سے مت روکے رکھو کہ تم ان پر زیادتی کے مرتکب ہو

لہٰذا اگر شوہر عورت کو ناپسندیدگی کے باوجود ساتھ رکھنے پر مجبور کرے تو یہ ضرر ہے اور ضرر ممنوع ہے۔

6. اسی طرح حدیث نبوی میں رسول اللہ ﷺ کا حکم ہونا بحیثیت قاضی زیادہ قرین قیاس ہے اس لئے کہ آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا۔

"اقبل الحديقة وطلقها تطليقة"

باغ لے لو اور ایک طلاق دے کر چھوڑ دو۔

یہاں امر کا صیغہ ہے جو کہ وجوب کے لئے ہوتا ہے الا کہ کوئی قرینہ وجوب سے مستحب کی طرف دلالت کرتا ہو، اس لئے آپ کا الزامی فیصلہ کرنا بطور قاضی ہے نہ کہ بطور مصلح۔

اسی طرح کا ایک فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے جس میں انہوں نے خلع کے مسئلہ میں فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا:

اخْلَعْهَا وَلَوْ فِي قُرْطِهَا[56]۔

ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم وجوب کے لئے ہے گویا آپ نے شوہر کو لازم قرار دیا ہے کہ وہ خلع پر آمادہ ہو، تو قاضی کو بھی یہی حق حاصل ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک ان صورتوں میں یہ حکم وجوب کے لئے نہیں بلکہ ارشاد و اصلاح کے قبیل سے ہے جیسا کہ ابن حجر اور دیگر شارحین نے یہ موقف اختیار کیا ہے[57]۔ امام شوکانی کے نزدیک انہوں نے یہاں وجوب سے پھیرنے کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے[58]۔ تاہم اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ خلع کی بنیادی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ ایک معاوضہ ہے، اس لیے اس کے منعقد ہونے کے لیے دونوں فریقین یعنی شوہر اور بیوی کی رضامندی ضروری ہے، جیسا کہ دیگر معاوضاتی عقود جیسے خرید و فروخت وغیرہ میں ہوتا ہے۔

7. ایک عقلی دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ مرد کو طلاق کا یک طرفہ حق ہے، تو عورت کو بھی خلع کے ذریعے یک طرفہ حق دیا جانا چاہیے، تاکہ دونوں کے حقوق میں توازن قائم رہے۔

لیکن یہ بات کلی طور قابل قبول نہیں ہو سکتی اس لئے کہ مرد کو حق طلاق مطلق طور پر دیا گیا ہے جب کہ عورت کو یہ حق شوہر کی رضامندی یا قاضی کے واسطے سے ملا ہے اس لئے برابری کا تصور ممکن نہیں ہے۔ تاہم اس بات کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ اگر کلی طور پر نہیں تو ایسا توازن ضرور ہو جس میں دونوں کا ضرر ختم ہو سکے کیونکہ ضرر کے رفع کرنے میں دونوں کو برابر حق حاصل ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

راجح قول

دلائل کا بغور تجزیہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں حکمین کی حیثیت اول درجے میں مصلح یا ثالث کی ہے لہذا وہ مسئلے پر غور کر کے اصلاح کی حتی الامکان کوشش کریں گے تاہم اگر وہ ناکام ہو جائیں اور ان کے درمیان اتفاق کا امکان نہ ہو تو انہیں تفریق کا اختیار دیا گیا ہے اس کے علاوہ اگر یہ معاملہ قاضی کے پاس جائے گا جیسا کہ مذکورہ واقعات میں رسول اللہ ﷺ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنھما نے مسئلہ کو حل کیا تو قاضی کا حکم نافذ ہو گا جس کی صورت یہ ہو گی کہ اگر اسے معلوم ہو کہ عورت کی طرف سے زیادتی ہے اور وہ مہر دے کر خلاصی چاہتی ہے تو شوہر کو اس سے نجات دلا دی جائے گی اور اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو عورت کو اس سے چھٹکارا دلا دیا جائے گا اس میں مرد کی رضامندی کا ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ زیادتی مرد کی جانب سے ہے تاہم قاضی فریقین کو سنے گا اور اگر دونوں کی طرف سے زیادتی واضح نہیں ہے بلکہ مسائل ایسے ہیں کہ عورت رہنا نہیں چاہتی یا کسی بھی وجہ سے نفرت کرتی ہے تو عورت اپنا حق محفوظ رکھتی ہے۔

وجہ ترجیح

اس قول کی ترجیح کے دلائل درج ذیل ہیں:

- آیت میں حکمین کا لفظ استعمال ہوا ہے جو کہ محض وکیل کے معنی میں نہیں ہے۔
- آثار صحابہ اور ثابت بن قیس کی روایت کا ظاہر بھی اس پر دلیل ہے۔
- اصلاح سے مراد تفریق بھی ہو سکتی ہے جب اس میں بیوی کی مصلحت ہو اور اس سے مفسدہ کو دور کرنا مقصود ہو۔
-

خلاصہ کلام

خاندان اور ریاست کے تعلقات کے درمیان توازن کا ہونا ضروری امر ہے کیونکہ دونوں کا تہذیب اسلامی کی ترقی و کامیابی میں ایک اہم کردار ہے۔ نکاح خاندان کی اساس ہے جس کے لئے فریقین کی رضامندی کا ہونا ضروری ہے اس لئے کسی کو جبری طور پر نکاح کرانے کی اجازت نہیں اسی طرح طلاق کی گرہ اللہ تعالی نے مرد کے ہاتھ میں دی ہے اور عام حالات میں اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم زوجین کے مابین بعض متنازع مسائل میں ریاست کی دخل اندازی کے جواز کی بعض صورتیں بن سکتی ہیں جہاں کسی ایک فریق پر ناروا ظلم ہو رہا ہو اور اس کے لئے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ عورت کے لئے نکاح سے خلاصی کی ایک صورت خلع ہے اگر شوہر بیوی خلع پر متفق ہو جائیں تو اس کے لئے قاضی کا ہونا ضروری نہیں لیکن اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو قاضی کے پاس خلع میں کس قدر اختیار ہے تو حقیقت میں آیت میں حکمین کے سپرد اصلاح کا معاملہ کیا گیا ہے لیکن حکمین قاضی کے حکم میں ہیں یا زوجین کی طرف سے وکیل کے حکم میں یہ بات محل اختلاف ہے اکثر اہل علم کے مطابق آیت میں حکمین زوجین کی طرف سے وکیل ہیں لہذا ان کو زبردستی خلع کا اختیار نہیں ہے جب کہ کثیر اہل علم کا موقف ہے کہ حکمین ریاست کی طرف سے قاضی کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا فیصلہ شوہر کی رضامندی کے بغیر نافذ ہے۔ دوطرفہ دلائل کے مناقشہ سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور جو اہل علم اس میں حکمین کو قاضی کی کے طور پر لیتے ہیں ان کا موقف قوی تر ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

حوالہ جات

[1] Solikin, N., & Wasik, M. (2023). The construction of family law in the Compilation of Islamic Law in Indonesia: A review of John Rawls's concept of justice and Jasser Auda's Maqashid al-Shari'a. Ulumuna.

[2] Lagus, W., A., & Z. (2024). Sharia legal framework: A comparative analysis of religious courts in Brunei Darussalam and Indonesia. Reformasi Hukum

[3] Mannan, M. A. (1991). D. F. Mulla's principles of Mohamedan law. Lahore: PLD Publishers.

[4] Nasir, J. J. (1990). The Islamic law of personal status. London: Graham & Trotman.

[5] ابن العربي ، القاضي محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربي المعافري الاشبيلي المالكي (المتوفى: 543هـ) ، أحكام القرآن ، دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الثالثة، 1424 هـ - 2003 م،عدد الأجزاء:4 (3/ 596)

[6] سورة البقرة : 2:232

[7] ابن كثير ،عماد الدين أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير الدمشقي (ت ٧٧٤ هـ)، ، تفسير القرآن العظيم، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤١٩ هـ - ١٩٩٨ م، عدد الأجزاء: ٩ (ص:476)

[8] ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي (المتوفى: 728هـ)، الناشر: وزارة الشئون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد - المملكة العربية السعودية، الطبعة: الأولى، 1418هـ عدد الأجزاء: 1 (ص: 123)

[9] البخاري، محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه ، المحقق: محمد زهير بن ناصر الناصر، الناشر: دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422هـ، عدد الأجزاء: 9 ،صحيح البخاري ،(رقم : 5199)

[10] السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية (ص: 123)

[11] ابن حجر العسقلانی، الإصابۃ، لابن حجر (9/ 340/ ط ھجر، ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ اس قصہ کو اتنا زیادہ روایت کیا گیا ہے کہ گویا اس کی اصل ہونے میں اجماع ہے۔

[12] المغني والشرح الكبير (8/ 233 - 234

[13] ابن فرحون المالكى، إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى: 799هـ)، تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ، الناشر: مكتبة الكليات الأزهرية، الطبعة: الأولى، 1406هـ -،1986م، عدد الأجزاء: 2، (1/ 109)

[14] السياسة الشرعية في الشئون الدستورية والخارجية والمالية (ص: 15)

[15] الحيلۃ الناجزة للحليلة العاجزة 166

[16] تبصرة الحكام في أصول الأقضية و مناهج الأحكام 21

[17] سورة النساء 4:141

[18] بدائع الصنائع / الكاساني، ٧/٣، والمهذب / الشيرازي، ٢/٢٩١، والمغني / ابن قدامه، ٩/٣٩، والمحلى / ابن حزم، ٩/٣٦٣،

[19] الحيلۃ الناجزة للحليلة العاجزة 93

[20] االحيلۃ الناجزة للحليلة العاجزة 26

[21] لهمام: شرح فتح القدير، ج4، ص211.

[22] منح الجليل، ج1، ص450.

[23] الغمراوي: محمد الزهري، السراج الوهاج على متن المنهاج، بيروت-لبنان، دار المعرفة، ج1، ص401.

[24] البهوتي: كشاف القناع، ج5، ص212.

[25] زاد المعاد في هدي خير العباد (5/ 178)

[26] ايضا

[27] المغني لابن قدامة (7/ 324)

[28] تفسير القرطبي (3/ 138)

[29] سورة البقرة 2/229

[30] البقرة: 229

[31] تفسير القرطبي (3/ 138)

[32] تفسير الألوسي ، روح المعاني (3/ 27)

[33] تفسير ابن كثير ت سلامة (2/ 297)

[34] مجموع الفتاوى (3/ 238)

[35] تفسير ابن كثير ت سلامة (2/ 296)

[36] الاستذكار (6/ 183)

[37] مصدر سابق 297/2

[38] الاستذكار (6/ 183)

[39] تفسير القرطبي (5/ 176)

[40] https://drzedan.com/content.php?id=88

[41] تفسير القرطبي (5/ 176)

[42] تفسير ابن كثير ت سلامة (2/ 297)

[43] مجموع الفتاوى 386/35

[44] نصرفريد واصل، مدى المرأة في إنهاء عقد النكاح بالخلع: 17

45سورة النساء 4:101
46 تفسير الألوسي ، روح المعاني (1/ 424)
47 المحلى (10/ 240)- ابن حزم.
48 التلخيص الحبير ط العلمية (3/ 431)، وقال ابن حجر : إسناده صحيح ، البيهقي في السنن الكبرى 7: 305. 306، وقال الشافعي: "حديث علي ثابت عندنا"
49 تفسير البغوي - إحياء التراث (1/ 614)
50 المحلى بالآثار (9/ 511)
51 (النساء: 35)
52 فتح الباري لابن حجر (9/ 403)
53 تفسير البغوي - إحياء التراث (1/ 614)
54 تفسير الرازي = مفاتيح الغيب أو التفسير الكبير (10/ 74)
55 التحرير والتنوير (5/ 46)
56 أخرجه سعيد بن منصور في "سننه" (6 / 379) برقم: (1432) ، (6 / 381) برقم:(1438)
57 فتح الباري لابن حجر (9/ 400)
58 نيل الأوطار (6/ 294)

ابن كثير، إسماعيل بن عمر (774هـ). تفسير القرآن العظيم. تحقيق: محمد حسين شمس الدين. بيروت: دار الكتب العلمية، 1998، ص476.
ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر (751هـ). السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية. بيروت: دار الكتب العلمية، ص123.
البخاري، محمد بن إسماعيل (256هـ). صحيح البخاري. حديث رقم 5199.
ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر (751هـ). السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية. ص123.
ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي (852هـ). الإصابة في تمييز الصحابة. بيروت: دار هجر، ج9، ص340.
ابن قدامة، موفق الدين (620هـ). المغني والشرح الكبير، ج8، ص233–234.
ابن فرحون المالكي، برهان الدين (799هـ). تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام. القاهرة: مكتبة الكليات الأزهرية، 1986، ج1، ص109.
ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر (751هـ). السياسة الشرعية في الشئون الدستورية والخارجية والمالية. ص15.
الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص166.
ابن فرحون المالكي، برهان الدين (799هـ). تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام. ص21.
القرآن الكريم، سورة النساء، 4:141.
الكاساني، علاء الدين (587هـ). بدائع الصنائع، ج3، ص7.
الشيرازي، إبراهيم بن علي (476هـ). المهذب، ج2، ص291.
ابن قدامة، موفق الدين (620هـ). المغني، ج9، ص39.
ابن حزم، علي بن أحمد (456هـ). المحلى، ج9، ص363.
الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص93.
الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة، ص26.
الهمام، كمال الدين. شرح فتح القدير، ج4، ص211.
الدردير، أحمد بن محمد (1201هـ). منح الجليل، ج1، ص450.
الغمراوي، محمد الزهري. السراج الوهاج على متن المنهاج. بيروت: دار المعرفة، ج1، ص401.
البهوتي، منصور بن يونس (1051هـ). كشاف القناع، ج5، ص212.
ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر (751هـ). زاد المعاد في هدي خير العباد، ج5، ص178.
ابن قدامة، موفق الدين (620هـ). المغني، ج7، ص324.
القرطبي، محمد بن أحمد (671هـ). الجامع لأحكام القرآن، ج3، ص138.
القرآن الكريم، سورة البقرة، 2:229.
القرطبي، محمد بن أحمد (671هـ). الجامع لأحكام القرآن، ج3، ص138.
الألوسي، محمود (1270هـ). روح المعاني في تفسير القرآن العظيم، ج3، ص27.
ابن كثير، إسماعيل بن عمر (774هـ). تفسير القرآن العظيم. بيروت: دار السلام، ج2، ص297.
ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم (728هـ). مجموع الفتاوى، ج3، ص238.
ابن كثير، إسماعيل بن عمر (774هـ). تفسير القرآن العظيم. بيروت: دار السلام، ج2، ص296.

القاضي عياض (544هـ). الاستذكار، ج6، ص183.
مصدر سابق، ج2، ص297.
القاضي عياض (544هـ). الاستذكار، ج6، ص183.
القرطبي، محمد بن أحمد (671هـ). الجامع لأحكام القرآن، ج5، ص176.
زيدان، عبد الكريم. (n.d.). السياسة الشرعية. Retrieved from https://drzedan.com/content.php?id=88
القرطبي، محمد بن أحمد (671هـ). الجامع لأحكام القرآن، ج5، ص176.
ابن كثير، إسماعيل بن عمر (774هـ). تفسير القرآن العظيم. بيروت: دار السلام، ج2، ص297.
ابن تيمية، أحمد بن عبد الحليم (728هـ). مجموع الفتاوى، ج35، ص386.
نصرفريد واصل. مدى المرأة في إنهاء عقد النكاح بالخلع، ص17.

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

القرآن الكريم، سورة النساء، 4:101.
الألوسي، محمود (1270هـ). روح المعاني في تفسير القرآن العظيم، ج1، ص424.
ابن حزم، علي بن أحمد (456هـ). المحلى، ج10، ص240.
ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي (852هـ). التلخيص الحبير. بيروت: دار الكتب العلمية، ج3، ص431.
البيهقي، أحمد بن الحسين (458هـ). السنن الكبرى، ج7، ص305–306.
الشافعي، محمد بن إدريس (204هـ). الأم. (قوله: حديث علي ثابت عندنا).
البغوي، الحسين بن مسعود (516هـ). معالم التنزيل. بيروت: إحياء التراث، ج1، ص614.
ابن حزم، علي بن أحمد (456هـ). المحلى بالآثار، ج9، ص511.
القرآن الكريم، سورة النساء، 4:35.
ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي (852هـ). فتح الباري. ج9، ص403
البغوي، الحسين بن مسعود (516هـ). معالم التنزيل. ج1، ص614.
الرازي، فخر الدين (606هـ). مفاتيح الغيب (التفسير الكبير)، ج10، ص74.
ابن عاشور، محمد الطاهر (1973). التحرير والتنوير. تونس: الدار التونسية للنشر، ج5، ص46.
سعيد بن منصور (227هـ). السنن، ج6، ص379 (رقم: 1432)، ص381 (رقم: 1438).
ابن حجر العسقلاني، أحمد بن علي (852هـ). فتح الباري. ج9، ص400.
الشوكاني، محمد بن علي (1250هـ). نيل الأوطار. ج6، ص294.